تعارف مہمان مقرر

مولانا سعید اکبرآبادی مدظلہٗ

—— پروفیسر محمد اسلم

سامعین باتمکین!

جناب ڈاکٹر ... احمد صاحب نے اس پُر وقار تقریب کے صدر گرامی قدر پروفیسر مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی کا آپ حضرات سے تعارف کرانے کی ذمّہ داری مجھ پر ڈالی ہے۔ میرے لیے یہ ایک کٹھن کام ہے۔ صاحبِ صدر گوناگوں خوبیوں کے مالک اور برِعظیم پاک و ہند کے نامور عالمِ دین ہیں۔ اس لیے اس مختصر سے مقالے میں ان کا تعارف کما حقہٗ کرانا ممکن نہیں ہے۔

مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی کا آبائی وطن بچھرایوں ضلع مراد آباد ہے، جو گجرولہ کے نزدیک رؤسا اور شرفا کی مشہور بستی ہے۔ مولانا کے والد مرحوم و مغفور ڈاکٹر ابرار حسن آگرہ میں پریکٹس کرتے تھے اور انہوں نے اپنے فن میں بڑا نام پایا تھا۔

مولانا اکبرآبادی صاحب آگرہ میں ۱۹۰۸ء میں پیدا ہوئے۔ اسی مناسبت سے انہوں نے اپنے نام کے ساتھ اکبرآبادی لکھنا شروع کیا۔

مولانا اکبرآبادی کی ولادت کا واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے۔ ڈاکٹر ابرار حسین مرحوم کے ہاں ایک بچی پیدا ہوئی۔ اور اس کے بعد کئی سال تک اور کوئی بچہ پیدا نہ ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کو اپنی اکلوتی بچی کے ساتھ بڑی محبت تھی۔ ایک بار موصوف طاعون کے کسی مریض کو دیکھ کر اپنے گھر آئے تو بچی فرطِ محبّت سے ان کے ساتھ لپٹ گئی اور اُسے Infaction ہو گئی۔ دوسرے تیسرے دن اس کی بغل میں طاعون کی علامت نمودار ہوئی اور بچی اپنے خالقِ حقیقی کے پاس پہنچ گئی۔

اکلوتی بیٹی کی وفات کا ڈاکٹر صاحب پر اتنا اثر ہوا کہ ان کا دل دنیا سے اُچاٹ

© rasailojaraid.com

ہو گیا اور موصوف نے برِ عظیم سے ہجرت کا عزم کر لیا۔ ان کی یہ خواہش تھی کہ وہ حجاز مقدس چلے جائیں اور وہیں بقیہ زندگی گزاریں۔

ڈاکٹر صاحب ہجرت کی اجازت لینے کے لیے اپنے مرشد حضرت شاہ عبدالغنی منگلوری رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کے دامنِ ارادت سے اُردو کے نامور شاعر اصغر گونڈوی، اور جگر مراد آبادی وابستہ تھے۔ جگر نے شعلۂ طُور میں اپنے مرشد گرامی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے ؎

پابندِ شریعتِ نبیؐ ہوں
خاکِ درِ دولتِ غنی ہوں

حضرت شاہ صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ وہ ہجرت نہ کریں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں فرزند سعید عطا فرمائے گا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے مرشد کے کہنے پر ہجرت کا ارادہ ترک کر دیا۔ دو تین سال یونہی گذر گئے۔

ڈاکٹر صاحب دوبارہ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے کہا تو تھا کہ اللہ تعالیٰ فرزندِ سعید عطا کرے گا۔ ڈاکٹر صاحب پُر امید ہو کر واپس لوٹے اور کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی دلی مراد پوری کر دی۔

جس صبح مولانا اکبر آبادی عدم سے وجود میں آئے، اُسی شب ڈاکٹر صاحب نے خواب میں اکابرینِ دیوبند کو دیکھا۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو مبارکباد دی اور فرزندِ سعید کی ولادت پر اظہارِ مسرت فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب نے نومولود کا نام سعید احمد رکھا۔

مولانا بچپن ہی سے بڑے ذہین اور فطین تھے۔ آٹھ نو برس کی عمر میں مشکل سے مشکل شعر کا صحیح مفہوم بیان کر دیتے تھے۔ اُن کے نانا محمد ابراہیم مرحوم نے اپنے داماد ڈاکٹر ابرار حسین کو تاکید کی کہ وہ اپنے فرزند کی تربیت میں کوتاہی نہ کریں۔

مولانا سعید احمد صاحب کی ابتدائی تعلیم آگرہ میں ہوئی۔ اس کے بعد انہوں نے پنجاب یونیورسٹی کے مشرقیت کے امتحانات پاس کیے اور اس سلسلے میں ان کا قیام لاہور میں بھی رہا۔ اُس زمانے میں لاہور علم و ادب کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا۔ علامہ اقبال، مولانا تاجور نجیب آبادی، مولانا ظفر علی خاں، غلام رسول مہر، عبدالمجید سالک، اختر شیرانی، محمد دین تاثیر، حفیظ جالندھری، حافظ محمود شیرانی، ڈاکٹر مولوی محمد شفیع

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، ڈاکٹر عنایت اللہ، ڈاکٹر سیّد عبداللہ، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی اور ڈاکٹر برکت علی قریشی جیسے فضلاء کے دم قدم سے لاہور کی ادبی محفلیں قائم تھیں۔ شام کے وقت حضوری باغ میں شاعر اور اہل علم جمع ہوتے اور دیر تک علمی موضوعات پر گفتگو رہتی۔ مولانا ان محافل میں شریک ہوتے۔

مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ کے درسِ قرآن کا پورے ملک میں شہرہ تھا۔ موصوف امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی کے شاگرد رشید تھے اور انہوں نے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کے فلسفہ کی روشنی میں قرآن حکیم کا مطالعہ کیا تھا۔ مولانا اکبرآبادی اُن کے درس میں بھی شریک ہوا کرتے تھے۔

© rasailojaraid.com

اسکول اور کالج کی تعلیم کے بعد ڈاکٹر ابرار حسین صاحب نے ان سے کہا کہ یہ تعلیم تو انہوں نے اپنی مرضی سے حاصل کی ہے لیکن اب اُن کی مرضی سے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو جائیں۔

جب مولانا اکبرآبادی دارالعلوم میں داخل ہوئے تو اُس زمانے میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رح کے درسِ حدیث کا شہرہ برِعظیم سے نکل کر مصر و شام تک پہنچ چکا تھا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ شارح مسلم شریف دینی حلقوں سے اپنی علمیت کا سکہ منوا چکے تھے۔ علامہ ابراہیم بلیاوی منطق و فلسفہ میں استادِ کُل مانے جاتے تھے۔ مولانا اعزاز علی دیوبندی عربی ادب پر آخری سند تسلیم کیے جاتے تھے۔

مولانا حسین احمد مدنی اپنے ورع و تقویٰ کے لیے ضرب المثل تھے۔ حضرت میاں اصغر حسین صاحب پیدائشی ولی مانے جاتے تھے۔ اُسی زمانے میں مولانا رسول خان مرحوم، مفتی عزیزالرحمٰن عثمانی مرحوم، مفتی محمد شفیع دیوبندی اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی بھی دارالعلوم میں مصروف تدریس تھے۔

مولانا اکبرآبادی صاحب نے ان تمام حضرات سے استفادہ کیا۔ یہ اُن کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں اپنے زمانے کے نامور اساتذہ سے فیض حاصل کرنے کا موقع ملا۔

۱۹۲۶ء میں انہوں نے فریضۂ حج ادا کیا۔ سفرِ حج میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا محمد سہول بھاگلپوری، مفتی محمد کفایت اللہ — اور

© rasailojaraid.com

شفیع داؤدی جیسے بزرگ ان کے ہم سفر تھے۔

دیوبند سے فراغت کے بعد انھوں نے کچھ عرصہ ڈابھیل میں بھی گذارا۔ اُن دنوں مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا حفظ الرحمٰن سوہاروی، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی اور مولانا شبیر احمد عثمانی بھی وہیں تھے۔ مولانا اکبر آبادی بھی عملۂ تدریس میں شامل ہو گئے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ملازمت ترک کر کے شاہ صاحب کی دعاؤں کے ساتھ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے سینٹ سٹیفن کالج دہلی میں داخل ہو گئے۔ یہیں سے انھوں نے ایم۔اے کیا اور پھر اسی کالج کے عملۂ تدریس میں شامل ہو گئے۔ اسی کالج میں جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔

مولانا اکبر آبادی صاحب نے مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی میں بھی چند سال پڑھایا ہے۔ وہیں عبدالصمد صارم اور مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم نے ان سے پڑھا تھا۔

© rasailojaraid.com

مولانا اکبر آبادی، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی اور مولانا حفظ الرحمٰن سوہاروی نے مل کر ۱۹۳۸ء میں "ندوۃ المصنفین" کی بنیاد رکھی۔ یہ ادارہ اب ایک تحریک کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ اب تک اسلام کے بارے میں اس ادارے نے صدہا ٹھوس اور تحقیقی کتابیں شائع کی ہیں۔

۱۹۳۸ء میں ہی ندوۃ المصنفین سے ماہنامہ "برہان" نکلنا شروع ہوا۔ اُس وقت سے لے کر اب تک مولانا اکبر آبادی ہی اس مجلّہ کے مدیر ہیں۔ اگر ان کے صرف اداریے ہی جمع کیے جائیں تو اُن کی ضخامت ہزاروں صفحات تک پہنچ سکتی ہے۔ اگر ان کی تمام تصانیف اور تحریروں کو ایک جگہ رکھا جائے تو ان کی طوالت اِن کے قد سے بڑھ جائے گی۔

مولانا اکبر آبادی صاحب کی تصانیف میں سے صدیق اکبر، عثمان ذوالنورین، غلامانِ اسلام، اسلام میں غلامی کی حقیقت، مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے ناقد، مسلمانوں کا عروج و زوال، وحیٔ الٰہی، فہمِ قرآن، خطباتِ اقبال پر ایک نظر، چار علمی مقالات اور نفثۃ المصدور اور ہندوستان کی شرعی حیثیت خاص طور پر مشہور رہیں۔ انھیں عربی، انگریزی، فارسی اور اردو پر یکساں عبور حاصل ہے، اور

© rasailojaraid.com

چاروں زبانوں میں بڑی روانی کے ساتھ تقریر کر لیتے ہیں۔

مولانا اکبر آبادی صاحب ۱۹۴۷ء تک سینٹ سٹیفن کالج دہلی میں پڑھاتے رہے۔ تقسیم ہند کے وقت اِن کا گھر بھی لُٹا اور موصوف بمشکل تمام اپنی جان بچا کر اہل و عیال سمیت مراد آباد تشریف لے گئے۔ جب ذرا امن جمی ہوئی تو مولانا ابوالکلام آزاد نے اِن سے کہا کہ مدرسہ عالیہ کلکتہ کا تمام عملہ اور طلبہ مشرقی پاکستان چلے گئے ہیں۔ آپ کلکتہ جا کر اس مدرسہ کو دوبارہ کھولیں۔ ۱۹۴۸ء میں مولانا اکبر آبادی صاحب مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ یہ پہلے ہندوستانی عالم تھے جو اس منصب پر فائز ہوئے۔ ان سے پہلے تقریباً پونے دو سو سال تک انگریز ہی اس مدرسہ کے پرنسپل رہے جن میں سر ڈینی سن راس اور مارگولیتھ کے نام خاص طور پر لیے جا سکتے ہیں۔

مولانا اکبر آبادی ۱۹۵۹ء تک مدرسہ عالیہ کے پرنسپل رہے۔ انہوں نے مدرسے کو، جو بالکل ختم ہو چکا تھا، دوبارہ کھولا اور پورے ملک سے نامور علماء و فضلاء کو بلا کر مدرسے میں درس و تدریس کا فریضہ سونپا۔

۱۹۵۹ء میں موصوف علی گڑھ تشریف لے آئے۔ یہاں انہیں سُنّی دینیات کے شعبہ کا صدر اور فیکلٹی آف تھیالوجی کا ڈین مقرر کیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد موصوف FULL پروفیسر بنا دیئے گئے۔

علی گڑھ میں قیام کے دوران میں ہی انہیں کینیڈا کی Mc Gill یونیورسٹی سے آفر ہوئی اور موصوف ایک سال کے لیے کینیڈا تشریف لے گئے۔

۱۹۶۰ء میں میرا اِن سے قریبی تعلق قائم ہُوا۔ یوں تو ۱۹۵۵ء سے ہم ایک دوسرے سے آشنا تھے اور ہماری پہلی ملاقات کلکتہ میں ۱۹۵۵ء میں ہوئی تھی۔ لیکن ۱۹۶۰ء کے اوائل میں مولانا نے مجھے اپنی فرزندی میں قبول کر لیا۔ اس کے بعد میں ہر سال علی گڑھ جانے لگا، موسمِ گرما کی تعطیلات ان کے ساتھ گزارتا اور ان سے اور علی گڑھ کے دوسرے فضلاء سے خوب استفادہ کرتا۔

علی گڑھ یونیورسٹی سے ریٹائرمنٹ کے بعد مولانا اکبر آبادی صاحب تغلق آباد دہلی میں ہمدرد کے ایک تحقیقی ادارے سے منسلک ہو گئے اور وہاں اندازاً چار سال تک کام کرتے

© rasailojaraid.com

رہے ۔ اس دوران میں انہوں نے شیخ الرئیس بو علی سینا کی القانون کو مرتب کیا ۔

ہمدرد سے فارغ ہونے کے بعد موصوف کالی کٹ یونیورسٹی میں Visiting Professor مقرر ہوگئے ۔ وہاں ایک سال رہنے کے بعد علی گڑھ واپس آئے تو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے انہیں اپنے ہاں Visiting Professor بنا دیا ۔ جب یہ مدت پوری ہوئی تو دارالعلوم دیوبند میں اِن کے لیے شیخ الہند اکادمی قائم کی گئی ۔ موصوف اس اکادمی کے ڈائرکٹر ہیں ۔ دیوبند میں قیام کے دوران میں مولانا اکبر آبادی صاحب حجۃ اللہ البالغہ کا درس دیتے ہیں جس میں اساتذہ اور منتہی طلباء شریک ہوتے ہیں ۔

دراصل دیوبند میں ان کے قیام کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مہتمم صاحب کے ساتھ ایک جید عالم ہمہ وقت موجود رہیں ، جن سے مہتمم صاحب اہم امور میں مشورہ لیتے رہیں ۔

مولانا اکبر آبادی صاحب کا شمار بھارت کے چند گنے چُنے علماء میں ہوتا ہے ۔ موصوف کئی بار غیر ممالک میں مختلف علمی کانفرنسوں میں بھارت کی نمائندگی کر چکے ہیں ۔ موصوف جنوبی افریقہ کے دینی حلقوں میں بھی جانے پہچانے بزرگ ہیں ۔ اور متعدد بار جنوبی افریقہ کا دورہ کر چکے ہیں ۔

مولانا اکبر آبادی صاحب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جتنی اُن کی نظر وسیع ہے ، اُتنا ہی اُن کا دل بھی وسیع ہے ۔ موصوف ہاتھ کے سخی اور دل کے غنی ہیں ، کیوں نہ ہو ، آخر کو شاہ عبدالغنی کی دُعا سے پیدا ہوئے ہیں ۔

اِن دنوں مولانا اکبر آبادی صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حیات و سیرت لکھنے کا سلسلہ شروع کر چکے ہیں ۔ اس سے قبل صدیق اکبرؓ اور عثمان ذوالنورین رضؓ پر تحقیقی کام کر چکے ہیں ۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ ، یہ سعادت اِن ہی کے حصے میں آئی ہے کہ خلفائے راشدین کی حیات و سیرت پر شاہکار کتابیں تحریر فرمائیں ۔ مَیں اِن کتابوں کو اِن کے لیے زادِ آخرت سمجھتا ہوں ۔

مولانا اکبر آبادی صاحب دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین ہیں اور دارالعلوم کی ترقی و توسیع کے لیے کوشاں ہیں ۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ انہیں عمرِ خضر کے ساتھ دین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کا موقع عطا فرمائے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com